The Heavenly Father

By

The Rev. Dr. M.H. Durrani

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (سورہ بقرہ)

پس یاد کرو اللہ کو جیسا یاد کرتا ہے تمہارا آباء اپنے کو زیادہ یاد کرنا

آسمانی باپ

اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کا رشتہ خدا
سے غلامانہ نہیں بلکہ وہی ہے جو باپ کا اپنے بیٹے سے ہوتا ہے

از
ڈاکٹر پادری ایم۔ ایچ دُرّانی

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
انارکلی لاہور

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (سورہ بقر)

آسمانی باپ

جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کا رشتہ خدا سے غلامانہ نہیں
بلکہ وہی ہے جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتا ہے۔

از

ڈاکٹر پادری ایم۔ ایچ۔ دُرّانی

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

بار سوم — ۱۹۵۲ء — تعداد ۱۰۰۰

آسمانی باپ

صاحبِ رشتہ

الہامی کُتب سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ انسان مدنی بالطبع اور صاحبِ رشتہ مخلوق ہے۔ اُس کا رشتہ بادشاہ۔ ملک اور ہمجنس سے ہوتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے رشتہ کو بخوبی پہچانتے ہیں کہ اُن کا رشتہ دُوسروں کے ساتھ ہمدردی یا مخالفت۔ محبّت یا نفرت کا ہے۔ جب یہ رشتہ ہمدردی۔ مہربانی اور محبّت پر مبنی ہوتا ہے تو ایک دُوسرے کو بخوبی پہچانتے ہیں اور ایک دُوسرے پر بھروسہ بھی کرتے ہیں اور اسی طرح برادری قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن جب آپس میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو رشتہ نہ صرف ٹوٹ جاتا ہے بلکہ ایک دُوسرے کے دُشمن بن جاتے ہیں۔

جس طرح انسان اپنی پیدائش و نسل اور خاندان میں باپ کے طور پر صاحبِ رشتہ مخلوق ہے۔ ایسے ہی دینی اعتبار سے آدمی خاص طور پر صاحبِ رشتہ مخلوق ہے۔ کیونکہ دینِ انسان اور خُدا کے تعلّق کی ایک خاص علامت ہے۔ دین ہی وہ خاص رابطہ ہے۔ جو کہ انسانی رُوح کو خُدا کے ساتھ مربُوط رکھتا ہے۔

صاحبِ اخلاق

چنانچہ جب ہم انسانی صفات پر غور کرتے ہیں تو ہم کو معلُوم ہوتا ہے کہ انسان ایک صاحبِ اخلاق وجُود ہے۔ جو نیک اور بد میں تمیز کر سکتا ہے۔ راستی اور ناراستی کو سمجھتا ہے۔ اعلیٰ درجہ تک علم و حکمت حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ اس سے

بڑھ کر وہ اپنے ہمجنس کے لئے دردمندی۔ مہربانی اور محبّت دِکھلا سکتا ہے حتّٰی کہ موت بھی گوارا کر سکتا ہے۔ پس جبکہ انسان اس اعلیٰ درجہ تک صاحبِ اخلاق ہے تو پھر کیا اس کے خالق کو بدرجہ اولیٰ صاحبِ محبّت اور ایثار کیوں نہ مانا جائے؟

بانئِ اخلاق

ہم جانتے ہیں کہ خُدا کے اخلاق کا ثبُوت انسان کے اخلاق سے مِلتا ہے۔ مثلاً یہ کہ خُدا نیک اور رحیم ہے اور یہی صفت انسان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خُدا کی یہ خوبیاں نہایت اعلیٰ خالص اور کامل ہیں۔ ورنہ ہمارے نزدیک اِن الفاظ کے کچھ معنی نہ ہونگے؟ جب ہم اپنی عقلی اور اخلاقی خُوبی پر غور کرتے ہیں تو ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ خوبی ہمارے خالق میں بدرجۂ اتم مَوجُود ہے۔ اگر آنکھ سورج کی طرح نُورانی نہ ہوتی تو وہ سُورج کو کس طرح دیکھ سکتی۔ انسان کی عقل خُدا کی حکمت کو دُھندلے طور پر ظاہر کرتی ہے۔ انسان کی نیکی خدا کی پاکیزگی کو ہلکے طور پر نمایاں کرتی ہے۔ یہی حال محبّت رحم اور خود انکاری انسان میں پائی جاتی ہے۔ تو کیا ہم کو تسلیم کرنا مناسب نہیں کہ یہ خُدا کے وسیع دِل کا عکس ہیں خلیفہ ہارون الرشید کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اُن کو اپنی رعایا کا اس قدر خیال تھا۔ کہ وہ رات کو بھیس بدل کر شہر میں پھرا کرتے تھے تاکہ اپنی رعایا کی ضرُورتوں اور مُصیبتوں کو معلُوم کر کے اُنہیں دُور کریں۔ پس کیا خُدا تعالےٰ ہارُون کی نسبت کم مہربان ہمدرد اور محبّت کرنے والا ہے؟ جب آدمی اس قدر صاحبِ محبّت اور ایثار پسند ہے تو کیا خُدا کے لئے ایسا ہونا ناممکن ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ خدا تو کہیں زیادہ جانتا ہے کہ محبّت اور ایثار کیا ہے چنانچہ سورۃ الروم میں

مرقوم ہے کہ وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ یعنے خدا نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور نرم دلی رکھی ہے۔ خدا کیونکر ایسا کر سکتا ہے اگر وہ خود کامل طور پر نہ جانتا کہ محبت اور دردمندی کیا ہے؟ الغرض جس قدر ہم کو اپنی پہچان ہوگی اُسی قدر ہم اپنے خالق کا عرفان حاصل کرینگے

مکاشفہ سے دلیل

اہلِ اسلام چار کتابوں کو الہامی مانتے ہیں۔ قرآن کے بموجب ان کو موسےٰ کی توریت، داؤد کا زبور، مسیح کی انجیل اور صحائفِ انبیاء پر ایمان لانا چاہیئے لہذا مناسب نہیں کہ اُن کی تکذیب یا حرف گیری کی جائے۔ بلکہ قرآن کے برابر اُن کی تعظیم کرنا لازمی ہے۔ وقل اٰمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں ساتھ اللہ کے اور جو نازل ہوا ہم پر اور اُترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب پر اور اسرائیلی فرقوں پر اور جو ملا موسےٰ اور عیسیٰ کو اور نبیوں کو اپنے رب سے ہم ان میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم واسطے اُس کے فرمانبردار ہیں۔ (عمران) اگر ہماری کُتب منسوخ یا محرف ہوتیں تو اُن پر ایمان کی تکلیف دینا مہمل و مجنونانہ فعل ہوتا۔ لیکن وہ نہ صرف صحیح و سالم ہیں بلکہ اہلِ دُنیا کے لیئے ہدایت۔ روشنی اور موجبِ رحمت ہیں ثم اٰتینا موسیٰ الکتاب تماما علی الذی احسن وتفصیلا لکل شیء وھدی ورحمۃ ہم نے موسےٰ کو کتاب عطا فرمائی۔ جس سے نیکوکاروں پر ہماری نعمت پوری ہوئی۔ اور اُس میں کل باتوں کے تفصیلی احکام موجود ہیں۔ اور لوگوں کے لیئے ہدایت اور رحمت ہیں۔ (سورۂ انعام) واٰتینٰہ الانجیل فیہ ھدی ونور

ومصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ وھدی وموعظۃ للمتقین اور ہم نے عیسیٰ کو انجیل دی اور اُس کے اندر ہدایت ہے اور نور۔ اور وہ تصدیق کرتی ہے توریت کو جو اُس کے آگے تھی۔ اور وہ ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے (مائدہ) یا اگر ہماری کُتب مقدسہ غلط۔ ملط ہوتیں تو کیوں آنحضرت کو یہ فرمایا کہ فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک یعنے اے محمد اگر اس چیز سے شک میں ہے جو ہم نے تیری طرف اُتاری تو اُن سے پوچھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ (یونس رکوع ۵)

پس اہلِ اسلام کو قرآن کی طرح ہماری کُتب مقدسہ پر نہ صرف ایمان لانا فرض ہے۔ بلکہ اُن کے احکام کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ موجود نور اور ہدایت ہیں۔ (مائدہ) [illegible] کل باتوں کے تفصیلی احکام ہیں (انعام) ۵۔ قرآن نہ صرف بائبل کا تصدیق کرنے والا ہے بلکہ محافظ بھی ہے۔ (مائدہ) یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ کیا کوئی ایماندار محرف کتاب کو قابلِ عمل کہے گا۔ یا کسی منسوخ کتاب پر ایمان لانے کی ترغیب دیگا نہیں ہرگز نہیں لیکن آنحضرت اہلِ کتاب کی کتابوں پر ایمان لاکر انہیں نور و ہدایت بتلاتے ہیں اور یہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ یعنے واجب ہے کہ حکم کریں انجیل والے اُسی کے مطابق جو اللہ نے اُس کے اندر نازل فرمایا۔ (مائدہ ۷ ع)

انسان کا رشتہ خدا سے

چنانچہ الہامی نوشتوں کے پڑھنے سے

سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور خدا میں اخلاقی صفات پائی جاتی ہیں۔ توریت میں لکھا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ قرآن اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے (و اذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ) کہا پروردگار نے تیرے لیے فرشتوں سے کہ تحقیق میں بنانے والا ہوں بیچ زمین کے نائب (سورۂ بقر ع۴) جس سے مراد یہ ہے کہ انسان نہ صرف اشرف المخلوقات ہے۔ بلکہ تمام اخلاقی خوبیوں میں اپنے خالق کی مانند ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ پر لکھا ہے کہ خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ سچ مچ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ قرآن میں آدم کی پیدائش کا بیان یوں ہے و نفخ فیہ من روحہ یعنے خدا نے اپنی روح آدم میں پھونکی (سورہ سجدہ) البیضاوی نے اس کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے آدم کا رشتہ اپنے ساتھ قائم کیا۔ تاکہ اس کی عزت و منزلت ہو۔ ایسا کرنے سے خدا نے ظاہر کیا کہ انسان ایک عجیب مخلوق ہے اور کسی نہ کسی طرح ذاتِ الٰہی سے رشتہ رکھتا ہے پس جو کوئی اپنے کو جانتا ہے۔ وہ اپنے خداوند کو جانتا ہے۔ حضرت علی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ کہ وہ جو اپنے نفس کو پہچانتا ہے۔ وہ اپنے رب کو جانتا ہے۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ جس قدر اعلیٰ اخلاقی خوبی ہم میں ہوگی۔ اُسی قدر ہم خدا کی حقیقی ذات اور صفات کو سمجھ سکیں گے۔ کیونکہ خدا کی صورت سے یہی مراد ہے نا کہ جسمانی مشابہت۔ اس سے بہتر اور کونسا اعلیٰ تصور ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی اخلاقی خوبی کے لحاظ سے اپنے تئیں خدا کا دھندلا عکس سمجھے۔ افسوس کہ ہماری اخلاقی صورت بگڑ گئی۔ آدم نے ممنوع پھل کھا کر اپنے

خالق کی نافرمانی کی۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ خطا آدم فخطات ذریتہ "آدم نے خطا کی اور اسی سبب سے اُس کی اولاد نے خطا کی"۔ کوئی بشر ایسا نہیں جس کے دل میں یہ موروثی فساد نہ ہو۔ لہذا کوئی بشر اپنے اخلاقی معیار تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ وہ پہلے اپنے گناہ سے رہائی نہ پائے۔ کیونکہ خوبی کسب خوبی طبیعت پر موقوف ہے۔ "جیسا بُرا آدمی بُرے خزانے سے بُری چیزیں نکالتا ہے۔ اور اچھا درخت نہیں جو بُرا پھل لائے اور کوئی بُرا درخت نہیں جو اچھا پھل لائے۔" پس بگڑی طبیعت سے حقیقی نیکی کا صدور اور الٰہی طبیعت کا حصول ممکن نہیں۔ اس لیے طبعی بگاڑ سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان کی طبیعت کسی ایسی فوق الفطرت موثر سے متاثر ہو جس سے اُس کی طبیعت کی اصلاح ہو جائے۔ یہ فوق الفطرت موثر کلام مقدس کے بموجب روح المسیح ہے۔

غرض کہ خدا نے ہم کو صاحب اخلاق ہستی پیدا کیا ہے کہ ہم اُس کی ذات کو بخوبی سمجھ سکیں۔ بھلا ایسے خدا سے تسلی و اطمینان ہم کو کیونکر ہو سکتا ہے جس کی صفات ہم سے بالکل جدا گانہ ہو۔ کیا بت پرست لکڑی پتھر اور سونا چاندی کی مورتوں سے رفاقت رکھ سکتے ہیں؟ نہیں اس لئے کہ اُن کی صفات بالکل مختلف ہے۔ ایک جاندار اور دوسرا بیجان ایک مادہ اور دوسرا روح اور روح کو روح کے ساتھ میل ہے۔ انسان کو صرف ایسے وجود سے تسکین ہو سکتی ہے جو اُس کی مانند اخلاقی خوبیوں کا مالک ہو

پدرانہ محبت

اکثر کہا جاتا ہے کہ انسان کی سب سے اعلیٰ قوت عقل ہے لیکن محض عقل سے ہم اپنے ہم جنس انسان

کے ساتھ رفاقت نہیں رکھتے بلکہ محبت سے کیونکہ تمام اخلاقی خصائل "محبت" کے مقابلے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ ہماری مراد اُس محبت سے ہے جو خواہش نفسانی اور تمام گندگی سے مبرّا ہے۔ اور جس کے تمام افعال پاکیزگی خود انکاری اور خود نثاری سے انجام پاتے ہیں۔ انسان میں یہ نیک خصلت کہاں سے آئی؟ اِس میں شک نہیں کہ خالق نے اُسے یہ وصف عطا فرمایا ہے ورنہ انسان اپنے خالق سے بزرگتر ہوتا اور یہ ممکن نہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ اکثر لوگ جب محبت کا ذکر کرتے ہیں۔ تب اُنکے خیال میں اُس کے ساتھ نفسانی علاقہ مربُوط ہوتا ہے۔ اور اِس طرح سے لفظ محبت کو گندگی کے دلدل میں گھسیٹ لاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف میں خُدا کا ممتاز نام "الودود" ہے یعنے پیار کرنے والا۔

بہر حال ہماری مراد ایسی محبت سے ہے جو کہ بیماروں، غمزدوں اور گنہگاروں کے لئے ہمدردی، دوستی اور صبر کا اظہار کرتی ہے کیونکہ محبت "صابر ہے۔ اور مہربان، محبت حسد نہیں کرتی۔ محبت شیخی نہیں مارتی اور پھولتی نہیں۔ نازیبا کام نہیں کرتی۔ اپنی بہتری نہیں چاہتی۔ جھنجھلاتی نہیں۔ بدگمانی نہیں کرتی۔ بدکاری سے خوش نہیں ہوتی بلکہ راستی سے خوش ہوتی ہے۔ سب کچھ سہہ لیتی ہے۔ سب کچھ یقین کرتی ہے۔ سب باتوں کی اُمید رکھتی ہے۔ سب باتوں کی برداشت کرتی ہے"۔ ایسی محبت نہ صرف اخلاقی خصائل کی سب سے اعلیٰ مثال ہے۔ بلکہ انسان میں خُدا کی صُورت کو ظاہر کرتی ہے۔ جو اُس کو پیدائش کے وقت عطا کی گئی تھی۔ پس جبکہ محبت انسان کو سب سے اعلیٰ مخلوق بنا دیتی ہے۔ لہذا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ ہمارا رشتہ خُدا کے ساتھ اور خُدا کا رشتہ ہمارے ساتھ قائم و برقرار رکھنے کے لئے یہ

نہایت ضرُوری ہے کہ "ہم خُداوند اپنے خُدا سے اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھیں"۔

اِسی نکتہ کو خواجہ عبید اللہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں یُوں پیش کرتے ہیں "اے خُداوند تو سیدھے راستے پر ہماری رہنمائی کر۔ اُس راستے میں ہم کو لے چل۔ جو ہمیں تجھ پاس پہنچائے اور اپنی محبّت سے ہم کو برکت دے جو تیرا ذاتی جوہر ہے اور ہم کو ایسی بات سے خالی کر جو ہم کو تجھ سے دُور رکھے۔ ہماری اِس راہ پر ہدایت کر جس میں ہم سوائے تیرے اور کسی کو نہ دیکھیں۔ سوا تیرے اور کسی کی نہ سُنیں۔ سوا تیرے اور کسی سے محبت نہ کریں"۔ (تفسیر حسینی)

الغزالی یُوں بیان کرتے ہیں کہ جو مناسبت خُدا اور انسان کے درمیان پائی جاتی ہے وہ ان علم الٰہی والوں کی دلیل کو باطل کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ انسان ایسے وجود سے محبت نہیں کر سکتا جو اُسی کے جنس سے نہ ہو۔ یہ مناسبت کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو لیکن انسان اِس مناسبت کے باعث خُدا سے محبت رکھ سکتا ہے جو اُس جملہ میں پائی جاتی ہے کہ خُدا نے انسان کو اپنی صُورت پر بنایا ہے (مشرق و مغرب جولائی نمبر ۱۹۱۰ء) پس جب خُدا فرماتا ہے کہ انسان اپنے سارے دل، جان اور طاقت سے اُسے پیار کرے۔ تو اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذاتِ الٰہی نہ صرف انسان کی محبت کو قبول کر سکتی ہے۔ بلکہ اُس کے لئے اپنی محبّت کو ظاہر بھی کر سکتی ہے انجیل اِس کے ثبوت میں یُوں کہتی ہے کہ خُدا محبّت ہے۔ کس طرح خُدا اپنی محبت انسان پر ظاہر کرتا ہے ایک ہی طریقہ ہے اور وہ طریقہ رشتہ پدرانہ ہے۔ جسے انسان جانتا اور بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

خُدا باپ ہے

چنانچہ انجیل مُقدّس کی یہ تعلیم ہے کہ خُدا ہمارے باپ کی مانند ہے۔ ہم سے محبت کرتا ہے۔ لفظ باپ سے بڑھ کر کوئی اور ایسا لفظ نہیں جس سے ہم ایسے مانوس ہوں ہر ذی سمجھ اِتفاق کریگا کہ خاندان اور ہر ملت میں پدرانہ رشتہ کی وجہ سے خالص محبت کا اِظہار ہوتا ہے۔ اولاد کے لئے باپ کی محبت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ باپ کی محبت اولاد کی بہبودی کے لئے ہر قسم کی تکلیف گوارا کرتی ہے۔ جب بیٹا کسی خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو اس ننگ و عار سے متاثر ہو کر باپ غمگین ہوتا ہے۔ اور بعض حالتوں میں اپنے بیٹے کے جرم کی سزا بھی اپنے اُوپر لینے سے گریز نہیں کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی محبت ایسی نہیں جیسی کہ باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے۔ یہ محبت خود انکاری اور جانثاری کی محبت ہے۔ گو یہ حلیم اور مہربان ہے تو بھی عدل کا پتلا ہو سکتی ہے۔ الغرض جو محبت باپ کو اولاد سے اور اولاد کو باپ سے ہوتی ہے۔ اس میں نفسانیت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مہربان محافظ اور جانثار رہتی ہے۔

پس جبکہ باپ اور بیٹے میں ایسی گہری محبت پائی جاتی ہے۔ تو پھر خُدا اور اِنسان میں وہی پدرانہ رشتہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم میں خُدا کی پدرانہ محبت کا پاکیزہ خیال کہاں سے آیا؟ کیا یہ بات سب سے پہلے ہمارے خالق کے دل میں موجود نہ تھی؟ توریت میں حضرت موسےٰ کلیم اللہ اس کا جواب یُوں دیتے ہیں کہ اِنسان خُدا کی صُورت میں پیدا ہُوا۔ گو ہم کمزور اور کم فہم ہیں۔ کہ ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم خُدا کی ذات کو پُورے طور پر سمجھ سکیں۔ لیکن یہ مسئلہ قرین قیاس

ہے کہ انسان کے لئے خُدا اپنی محبت اس پاکیزہ رشتہ کے ذریعے ظاہر کرے۔ جیسے وہ بخوبی جانتا اور سمجھتا ہے۔

کتابِ مُقدّس میں یہ رشتہ داری تین صُورتوں میں ظاہر کی گئی ہے۔ اوّل اِنسان اپنی کاملیت میں خُدا سے رشتہ رکھتا ہے۔ دوم خدا نے اِنسان کو اپنی صُورت پر خلق کیا۔ سوم۔ خُدا ہر ایک ایسے شخص کو اپنا بیٹا کہنے سے خوش ہوتا ہے۔ جو اُس کی حضوری میں زندگی بسر کرے۔ لہٰذا ہر انسان کے لئے اعلیٰ اِمکانات کا موقعہ ہے۔ گو انسان نافرمانی کے باعث اپنے پیدائشی حق اور رفاقتِ الٰہی کھو بیٹھا۔ پھر بھی وہ اُسے از سرِ نو مسیح کے وسیلے حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ جن امُور میں لوگ ناکام رہے۔ مسیح نہ صرف کامیاب ہُوا بلکہ ہم پر ظاہر کیا کہ خُدا کا حقیقی بیٹا ہونا کیا ہے۔ اور یہ فرزندانہ رشتہ بذریعہ ایمان فرمانبرداری اور محبت سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ خُدا کی رفاقت کی آرزو جو انسان کے دِل میں پائی جاتی ہے۔ اب مسیح میں بخوبی پُوری ہو سکتی ہے کیونکہ وہ نہ صرف نئی راہ کا بانی ہے۔ بلکہ بذاتِ خُود راہ اور حق اور زندگی ہے۔ کیونکہ جتنوں نے اُسے قبول کیا اُس نے اُنہیں خُدا کے فرزند بننے کا حق بخشا۔ یعنے جو اُس کے نام پر ایمان لاتے ہیں (یُوحنا ۱:۱۲)

خُدا کا کُنبہ

پس اگر ہم باپ اور بیٹے کے حقیقی رشتہ کو جو ہمارے اور خُدا کے درمیان ہے۔ سمجھ لیں۔ تب ہم اِجتماعی زندگی امن و امان سے بسر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بھائی چارہ کا یہ تقاضا ہے کہ ہر شخص دُوسرے کے ساتھ وُہی سلوک روا رکھے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ (متی ۷: ۱۲) یعنے تم نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارے ساتھ بد عہدی، بدسلوکی سے پیش آئے، فریب دے۔ جھوٹ بولے، تمہارا حق غصب کرے

تی و درشتی، بدکلامی بدزبانی اور احسان فراموشی کا ثبوت دے پس تم
بھی اوروں کے ساتھ ایسا نہ کرو۔ اسی ایک بات میں ساری دُنیا کی بھلائی
ہے۔ اسی جملے میں امن اور سلامتی ہے۔ اسی اصُول پر شخصی اور قومی زندگی
کا مدار ہے۔ اگر اس تعلیم پر پُورا عمل ہو تو یہ دُنیائے دوں بے آزار ہو کے
میں بہشت کا نمونہ نظر آنے لگے گی۔ کیونکہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جائے اور بدی
کا جواب نیکی ہو تو یہ بزرگ اصول افراد اور اقوام کی زندگی اور بقا کا موجب ہوتا
ہے۔ لیکن اگر بدی کا جواب بدی سے دیا جائے اور اینٹ کا جواب پتھر
سے دیا جائے تو یہ لائحہ عمل افراد اور اقوام کے فنا کا موجب ہو جاتا ہے
تم خود اپنے ملک پاکستان کے دور حاضرہ کی تاریخ پر نگاہ کرو۔ تو
اس صداقت کی مثال پاؤ گے۔

مرحوم مولانا محمد علی نے کانگریس کے اجلاس میں اپنے خطبہ میں انجیل کی
آیات کا اقتباس کر کے یہی درس دیا کہ بدی کا مقابلہ نہ کرو۔ مولانا ظفر علی خان
نے اپنے اخبار زمیندار ۱۰ نومبر ۱۹۲۹ء میں کہا کہ صبر اور ضبط کے سامنے
بڑی جاہ و جلال اور غرور و نخوت والی حکومت گھٹنے ٹیک دیتی ہے جو تم کو
ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دو۔"

"مہاتما گاندھی کے پیش کردہ اصُول کا نتیجہ آج ہم کو نظر آ رہا ہے ہندوستان
محکوم قوم نے عدم تشدد کو اختیار کر کے بقا اور زندگی حاصل کی اور ہماری اپنی
قوم کے بچوں نے اس اعتراض کا منہ بند کر دیا۔ کہ مسیحیت ناقابل عمل ہے
اور یہ سبق سکھلایا کہ کلمتہ اللہ کے اصُول کے سوا افراد اور اقوام کے لئے
زندگی کی کوئی اور راہ نہیں۔ آنخداوند کے اصُول پر چل کر ہندوستان کے رہنماؤں
نے ساری دُنیا پر ثابت کر دیا کہ عدم تشدد کو اختیار کر کے نہ صرف افراد اور گروہ

بلکہ تمام ملک و اقوام میں تشدد اور جنگ و جدل پر غالب آ سکتی ہے۔" (ماخوذ)
چنانچہ ایک دفعہ ایک عالمِ شرع نے کلمتہ اللہ سے پوچھا کہ سب حکموں میں
مقدم حکم کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ خدا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر پیار
کرنا۔ (مرقس ۱۱: ۲۹) یہ جواب سُن کر عالمِ شرع نے پھر آپ سے دریافت کیا۔
کہ میرا پڑوسی کون ہے؟ آپ نے اس سوال کا جواب (نیک سامری) کی
تمثیل کے ذریعہ دیا۔ جس کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ خدا چونکہ کُل بنی نوع انسان کا
باپ ہے لہٰذا ہر فرد دُوسرے کا بھائی ہے۔ اس لئے اس نوع کے افراد پر
لازم ہے کہ بلا امتیاز ایک دُوسرے سے اپنے برابر محبت رکھیں جس طرح
خدا باپ دُنیا کی تمام اقوام سے مساوی طور پر محبت کرتا ہے

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ہُدا کا — کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

پدرانہ پروردگاری

یہ امر قابلِ غور ہے کہ مسیح کلمتہ اللہ نے اپنی
تعلیم خدا کی ہستی ثابت کرنے سے شروع
نہیں کی۔ بلکہ خدا کی پاک اور پیار کرنے والی ماہیت کو باپ کی حیثیت میں انسان
پر ظاہر کیا۔ دُنیوی باپ سے خدا کی مثال دے کر بتلایا کہ خدا پدرانہ پروردگاری
سے انسان کے ساتھ سلوک کرتا ہے "تم میں ایسا کونسا آدمی ہے کہ اگر اُس
کا بیٹا روٹی مانگے تو وہ اُسے پتھر دے یا اگر مچھلی مانگے تو اُسے سانپ دے
پس جبکہ تم بُرے ہو کر بچوں کو اچھی چیزیں دینی جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان
پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دیگا"۔ (متی ۷: ۹-۱۱)
اس امر کو ثابت کرنے کے لئے کہ ہمارا آسمانی باپ چھوٹی سے چھوٹی باتوں
میں ہماری فکر کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ پھولوں اور میدان کی گھاس کو بھی
خوبصورت پوشاک سے ملبوس کرتا ہے۔ اور پرندوں، چرندوں کو خوراک پہنچاتا

ہے۔ تو کیا تم اُن سے زیادہ قدر نہیں رکھتے"؟ وہ جو ہم کو زندگی دیتا ہے۔ کیا وہ اُس کو قائم نہ رکھیگا؟ وہ ہماری ضرورت سے واقف ہے جس طرح دُنیوی باپ اپنے بچوں کی ضرورت کو رفع کرتے ہیں اور حتیٰ الامکان اُن کی حاجتوں کو پُورا کرتے ہیں۔ خدا جو ہمارا آسمانی باپ ہے۔ ہماری ضرورت سے واقف ہے " اور تمہارے مانگنے سے پہلے جانتا ہے کہ تم کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہے"۔ فی الحقیقت سچی پروردگاری یہی ہے۔

فرزندیت سے مُراد

کلمتہ اللہ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ اِنسان اُس وقت خدا کا بیٹا کہلانے کا مستحق ہے جبکہ وہ خدا باپ کی اِخلاقی خوبی کو اپنی زندگی سے ظاہر کرے۔ یعنی ہمارا مزاج اور ہمارے کام ویسے ہی ہوں جیسے خدا کے ہیں "کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری محبت، ہماری زندگی اور ہمارے اعمال ویسے ہی پاک ہوں جس طرح خدا کے ہیں۔ اور یہ برکت بچوں کی سی طبیعت رکھنے سے حاصل ہوتی ہے "اگر تم نہ پھرو۔ اور بچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے"۔ "لہٰذا حلیم خدا کے وارث ہونگے۔ رحم دلوں پر رحم کیا جائیگا۔ صلح کرانے والے مبارک ہونگے اور پاک دِل خدا کو دیکھینگے"۔

بچوں کی سی زندگی جو اس قدر دلکش اور خوشنما ہے صرف دل کے نئے ہونے پر منحصر ہے۔ چنانچہ کلمتہ اللہ نے ہمیں مُسرف بیٹے کی تمثیل کے ذریعے یہ سکھایا کہ کسی شخص کے دو بیٹے تھے۔ اُن میں سے چھوٹے نے باپ سے کہا کہ اَے باپ، مال کا جو حصّہ مجھ کو پہنچتا ہے مجھے دے۔ اُس نے اپنا مال متاع اُنہیں بانٹ دیا۔ اور بہت دن نہ گزرے کہ چھوٹا بیٹا اپنا سب کچھ جمع

کرکے دُور دراز ملک کو روانہ ہُوا اور وہاں اپنا مال بدچلنی میں اُڑا دیا۔ اور جب بہت خرچ کرچکا تو اُس ملک میں سخت کال پڑا اور محتاج ہونے لگا۔ پھر اُس ملک کے ایک باشندے کے ہاں جا پڑا۔ اُس نے اُس کو اپنے کھیتوں میں سُور چرانے بھیجا اور اُسے آرزو تھی۔ کہ جو پھلیاں سُور کھاتے تھے۔ اُنہیں سے اپنا پیٹ بھرے۔ مگر کوئی اُسے نہ دیتا تھا۔ پھر اُس نے ہوش میں آکر میرے باپ کے کتنے ہی مزدوروں کو روٹی افراط سے ملتی ہے اور میں یہاں بھوکا مر رہا ہوں۔ میں اُٹھ کر اپنے باپ کے پاس جاؤنگا۔ اور اُس سے کہونگا کہ اَے باپ میں آسمان کا اور تیری نظر میں گنہگار ہُوا۔ اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں۔ مجھے اپنے مزدوروں جیسا کرلے۔ پس وہ اُٹھ کر اپنے باپ کے پاس چلا۔ وہ ابھی دُور ہی تھا کہ اُسے دیکھ کر اُس کے باپ کو ترس آیا اور دوڑ کر اُس کو گلے لگا لیا اور بوسے لئے۔ بیٹے نے اُس سے کہا کہ اَے باپ میں آسمان کا اور تیری نظر میں گنہگار ہُوا اب اِس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں۔ باپ نے اپنے نوکروں سے کہا کہ اچھے سے اچھا جامہ نکال کر اُسے پہناؤ۔ اور اُس کے ہاتھ میں انگوٹھی اور پاؤں میں جُوتی پہناؤ۔ اور پلے ہوئے بچھڑے کو لاکر ذبح کرو تاکہ ہم کھاکر خوشی منائیں۔ کیونکہ میرا یہ بیٹا مُردہ تھا۔ اب زندہ ہُوا۔ کھویا ہُوا تھا اب مِلا ہے۔ پس وہ خوشی منانے لگے (لوقا ۱۵: ۱۱ تا ۲۴)

اوّل اِس تمثیل میں اِنسان کی گری ہُوئی حالت کی عمدہ تصویر ملتی ہے جو اپنی گنہگاری کی حالت معلوم کرکے توبہ اور ایمان کے ساتھ واپس لَوٹا اور بڑی خوشی سے قبول کیا گیا اور جب تک باپ کی طرف نہ پھرا اُس وقت تک بیٹا ہونے کا مطلق فائدہ نہ اُٹھایا۔ دوئم۔ اِس تمثیل سے باپ کی اس خوشی

کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اُس کو بیٹے کے لوٹ آنے سے حاصل ہُوا۔ سوم۔ اِس تمثیل میں باپ کے اُس غم کا پتہ ملتا ہے۔ جو اُس کو اپنے بیٹے کی جُدائی کے دنوں میں ہُوا۔ اِس تمثیل کی خاص تعلیم جو ہے اِنسان کا برگشتہ ہونا۔ اُس کا واپس لوٹ آنا اور پھر بحال کیا جانا۔

محبّت کا جوہر

چنانچہ لفظ باپ جو کلمۃ اللہ نے جو خُدا کے لئے استعمال کیا ہے۔ اِس سے نہ صرف خُدا کی پروردگاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلکہ ہماری طرف اُس کی محبّت کا پتہ چلتا ہے۔ حقیقی معنی میں خُدا کا باپ ہونا کلوری کی صلیب پر آپ کو قربان کر دینے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو قربان کر دینے میں مسیح کلمۃ اللہ خُدا کے باپ ہونے کی کامل تفسیر مہیا کرتا ہے۔ اور اِس قربانی پر ایمان لانا حقیقی فرزندیت کا ثبوت ہے۔ خُدا کی پاک اور محبّت کرنے والی ذات کا کامل اِظہار خُداوند مسیح کی قربانی میں پایا جاتا ہے۔

مغل بادشاہوں کی تاریخ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جب شہنشاہ بابر کا بیٹا ہمایوں سخت بیمار تھا۔ تو باپ اِس قدر غم و فکر میں ڈوب گیا۔ اور اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے بیٹے کے بدلے اپنی جان دیدے چنانچہ اپنی قوتِ ارادی کے باعث اپنے بیٹے کی بیماری کو اپنے اوپر لے لیا اور پکارا کہ میں نے اُس کو پا لیا۔ مورخ بالاتفاق کہتے ہیں کہ ہمایوں اُس وقت سے بہتر ہونے لگا۔ اور بابر کی صحت بدتر ہونے لگی حتیٰ کہ وہ مر گیا۔

یہ ایک عجیب اِتفاق ہے کہ ہم اُس واقعہ بابر میں ایک قانون پاتے ہیں۔ کہ محبّت کا جوہر ایثار ہے۔ خُدا جو خود محبّت ہے بھلا اُس کا پدرانہ دل کب یہ گوارا کر سکتا ہے کہ جس اِنسان کو اُس نے اشرف المخلوق بنایا وہ دوزخ کا

ایندھن بن جائے۔ جیسے ایک دُنیوی باپ اپنے بیٹے کے بچانے کے لئے اپنی جان دے دیتا ہے ویسے ہمارا آسمانی باپ اپنے بیٹے یسوع مسیح کے ذریعے اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے۔ تاکہ ہمارا رشتہ اُس کے ساتھ پھر قائم ہو جائے کیا خُدا ایک دُنیوی باپ کے مقابلے میں اپنے بچوں کے گناہوں پر کم افسوس کرتا ہوگا؟ خُدا قدوس ہے۔ کیا وہ اپنے بچوں کے گناہوں پر بہ نسبت دُنیوی باپ کے کم غمگین ہوتا ہے؟ تم میں ایسا کونسا آدمی ہے کہ اگر اُس کا بیٹا اُس سے روٹی مانگے۔ تو وہ اُسے پتھر دے؟ یا اگر مچھلی مانگے تو اُسے سانپ دے؟ پس جبکہ تم بُرے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینی جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دیگا۔ (متی ۷: ۹ تا ۱۱)۔

پدرانہ محبّت کا ثبوت

مانا کہ اِنسان بڑا سرکش ہے لیکن اُس کی محبّت اِس قدر گہری ہے کہ ہماری خطائیں اُس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکیں۔ چونکہ خُدا محبّت ہے اِس لئے اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ (یُوحنّا ۳: ۱۶) ہم نے محبّت کو اِسی سے جانا کہ اُس نے ہمارے واسطے اپنی جان دی۔ (۱-یُوحنّا ۳: ۱۶)

واہ خُدا کی محبّت کیا ہی عمیق ہے۔ کہ عین اُس عالم میں جبکہ اِنسان کی کشتی عصیان منجدھار میں پھنسی تھی۔ وہ خود اِنسانی جامہ پہن کر ہمارے درمیان آیا اور یُوں خُدا کی محبّت کا سماں ہماری آنکھوں کے سامنے پیدا ہو جاتا ہے کہ کس طرح خُدا نے مسیح میں ہمیں پیار کیا۔ ہماری نجات کا بندوبست کیا اب کس طرح سے اپنے پاس بلاتا ہے۔ اور کس طرح مسیح میں اِنسانی ذات

انسانی صورت اور انسانی زبان اختیار کرتا ہے۔

وہ خدا جو ہمارے گناہوں کے باعث نہایت دُور تھا۔ اور جس کے بے پایاں جاہ و جلال سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ المسیح میں ایک ایسے خوش پیرایہ میں نظر آتا ہے۔ جیسے سُورج کی کرن قوسِ قزح میں۔ خدا کی لا متناہی محبت مسیح میں ایسی ظہور پذیر ہے۔ جس کو ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے۔ کانوں سے سُن سکتے اور دل سے محسوس کر سکتے ہیں۔ اگر ہر پھول ہر شجر اور ہر برگ و ثمر میں نقش کردگار نظر آتے ہیں۔ تو کیا خدا کا انسانی جامہ پہننا غیر ممکن تصور کیا جائے۔ جبکہ اپنے کریکٹر اور محبت کے اظہار کرنے کے لئے کرے۔ اگر خدا محبت ہے۔ تو خدا کا تجسم خدا کی محبت کا عملی ثبوت ہے۔

چنانچہ جب ہم خدا کے تجسم کے مقصد پر غور و فکر کرتے ہیں تو محبت اور تقدس کے معنی ہم پر کھلتے ہیں۔ اور یہ کہ کس طرح والدین کی محبت اپنے بچوں کے لئے جوش زن ہوتی ہے۔ خواہ اُنکے بچے اچھے ہوں یا بُرے۔ خدا کی محبت والدین کی محبت سے بہت زیادہ ہے اور اُس کے تحمل اور معافی کی طاقتیں مقابلۃً والدین کے بہت زیادہ ہیں۔ اور جب کوئی اِس محبت کو کامل طور پر محسوس کر لیتا ہے تو پکار اُٹھتا ہے کہ "اے باپ میں نے تیرا اور زمین کا گناہ کیا۔ اب اِس لائق نہیں رہا کہ تیرا بیٹا کہلاؤں"۔

حالانکہ ہم اِس لئے خلق کئے گئے تھے۔ کہ اپنے خالق کے حضور میں رہیں لیکن گناہ نے اِس رشتہ کو توڑ دیا۔ مگر مسیح نے اپنی جان گنہگاروں کے بدلے فدیہ میں دیکر وہ حدِ فاصل جو گناہ کی وجہ سے انسان اور خدا کے درمیان ہے اُٹھا دی۔ اب انسان بذریعہ ایمان بالکفارہ قربتِ الٰہی

حاصل کر سکتا ہے۔ "تم کو ایمان کے وسیلے فضل ہی سے نجات ملی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب سے تاکہ کوئی فخر نہ کرے"۔ (افسیوں ۲: ۸ تا ۹)

ربنا المسیح کی موت اور اُس کے دُکھ اُٹھانے کا بیان کتنا مختصر کیوں نہ ہو۔ لیکن جب انسان خدا کی محبت پر غور کرتا ہے جس کا ثبوت المسیح نے اپنی موت سے دیا۔ تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے کہ میرے گناہوں کی خاطر مسیح کلمۃ اللہ مصلوب ہُوا اور یہ صلیب میری تھی۔ یہ سزا میری تھی۔ اور یہ رسوائی میری تھی۔ جو مسیح نے اُٹھائی۔

بلا ریب مسیح کی صلیب خدا کا وہ نور ہے۔ جو خدا کی محبت اور انسان کے گناہ کو خدا کی قدرت اور انسان کی عاجزی کو خدا کی پاکیزگی اور انسان کی نجاست کو ظاہر کرتا ہے۔ درحقیقت مسیح ایک راز ہے اور اس کا حل اُس کی عظیم قربانی میں موجود ہے اور اِس راز کا انکشاف صلیب پر ہُوا۔ پس اِس کو سمجھنا مسیح کو سمجھنا ہے اور خدا کو جاننا ہے۔ خدا کو جاننا عالم موجودات اور زندگی کے معانی کو سمجھنا ہے صلیب ہی وہ واحد کنجی ہے جسے اگر انسان اپنے ہاتھ سے جانے دے۔ تو وہ پشیمان ہوگا۔ اور کائنات کا راز اُس پر نہ کھلیگا۔ لیکن اگر اس کنجی کو اپنے قبضے میں رکھے تو وہ اس راز کو معلوم کرنے پر قادر ہوگا۔

دوستو! ہم صرف کلمۃ اللہ کی قوت میں ٹھہر سکتے ہیں۔ "آسمان کے نیچے کوئی دُوسرا نام نہیں بخشا گیا۔ جس کے وسیلے ہم نجات پا سکیں" (اعمال ۴: ۱۲) دنیا میں کوئی اور طاقت نہیں جو انسان کی ذہنیت کا انسداد کر کے اس میں بلند نظری پیدا کر سکے۔ وہی ایک ایسے باغبان کی طرح ہے۔ جو

جگمگی گلاب میں اصلی گلاب کی لہر دوڑا دیتا ہے۔ کیونکہ المسیح انسان میں بستا ہے اس میں خیال کرتا ہے اور یوں اُس کے خیال ہمارے خیال ہو جاتے ہیں۔ اُس کی زندگی ہماری زندگی ہو جاتی ہے یہ کیسا بھاری فضل ہے۔ کیسی گہری برکت ہے۔ کون ہے جو دُنیا میں ذرہ کو اُٹھا کر آفتاب کر دے اور خاک کو اکسیرِ اعظم بنا دے۔

پس اتنی بڑی نجات سے غافل رہ کر ہم کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اس لئے آؤ اور اپنی جبین نیاز آستانہ مسیح پر رکھ دو۔ وہی تمہاری رُوحوں کو سکون بخشیگا۔ وہی تمہارے کلبۂ تاریک کو جگمگا دیگا۔ وہ اسی لئے ابن مریم بنا تاکہ ہمیں آسمانی خوشیوں سے مالا مال کرے۔ اُس نے اپنے آپ کو اس لئے پست کیا۔ کہ ہمیں آسمانی مقاموں پر پہنچائے۔ غرض اس سے باہر موت اور ہلاکت کی وادی ہے۔ چنانچہ اِس ظلمت کدہ کے بسنے والوں میں سے جتنوں نے اُسے قبول کیا اُس نے اُنہیں خُدا کے بیٹے ہونے کا حق بخشا۔ عالم بالا پر خُدا کی تمجید اور زمین پر اُن آدمیوں سے جن سے وہ راضی ہے صلح۔ وَمَا عَلَینَا اِلَّا البَلاغ

پی - آر - بی - ایس پریس لاہور میں
باہتمام پادری … گرین سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
انارکلی لاہور چھپ کر شائع ہوئی

بشارتی ٹریکٹ

نام ٹریکٹ	صفحے	قیمت فی سینکڑہ
کیا مسیحی مذہب عالمگیر ہے	۸	۲ روپیہ
خدا کو انسان کیونکر جان سکتا ہے	۸	۲ "
نئی خلقت	۸	۲ "
سب سے طاقتور شے	۸	۲ "
مسیحی طاقتور شے	۸	۲ "
مسیحی طریق عبادت	۸	۲ "
مسیحی طریق دُعا	۸	۲ "
قربانی	۴	۸ آنے
عدل و رحم	۴	۸ "
رُوحانی مسرّت	۴	۸ "
خُداوند مسیح بطور معلّم	۲	۸ "
یسُوع مسیح کون ہے؟	۲	۸ "
آپ کہاں جا رہے ہیں؟	۲	۸ "
آپ کا کیا حال چال ہے؟	۲	۸ "
آپ کہاں رہتے ہیں؟	۲	۸ "
کیا آپ تیار ہیں؟	۲	۸ آنے

پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی - لاہور